فہرست

جدید مرثیے اور میر انیسؔ پر اختر عثمان صاحب کے اعتراضات کا تنقیدی جائزہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اردو کے قدیم مرثیے کی معلوم تاریخ کے چار سو یا ساڑھے چار سو برس اور جدید مرثیے کے سو برس سے زائد کا عرصہ سامنے ہونے کے باوجود نہیں معلوم، کہ یہ ایک ادبی المیہ ہے یا عملیہ کہ ایک طویل عرصے تک ہماری اردو کی تنقید نے ایسی عظیم صنفِ سخن کو جس سنجیدگی سے اپنے احاطے میں لینا تھا اس سنجیدگی سے اپنے حلقے میں نہیں لیا۔ مرثیے کے باب میں اردو تنقید کا بیشتر حصّہ افراط و تفریط پر مبنی نظر آتا ہے۔ ایسا اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ مرثیوں پر یا رثائی ادب پر جو تبصرہ کیا جاتا ہے یا وقتی طور پر "کام چلانے" کے لیے جو مضامین لکھے جاتے ہیں ان میں اتنی ذمہ داری کا مظاہرہ نہیں کیا جاتا ہے جتنا کرنا چاہیے۔

کانفرنس

اکادمی ادبیات پاکستان کے زیرِ اہتمام 13 اگست 2021 بروز جمعہ پانچ بجے دن ایک آئن لائن سیمنار "پاکستان میں مرثیے کی روایت" کے عنوان سے منعقد ہوا۔

اس سیمینار کی صدارت جناب افتخار عارف کو کرنا تھی مگر وہ اپنی علالت کے باعث شرکت فرمانے سے قاصر رہے جس کی وجہ سے اکادمی کی طرف سے صدارت ڈاکٹر ہلالؔ نقوی کو پیش کی گئ۔ ڈاکٹر تقی عابدی صاحب مہمان اعزاز جبکہ اظہار خیال کے لئیے جناب اختر عثمان, جناب عقیل جعفری, جناب فراست رضوی, سید وقار

شیرازی، جناب فرحان رضا اور محترمہ رخشندہ بتول کو دعوت دی گئی۔ میزبانی کے فرائض جناب منظر نقوی نے ادا کیے۔

اگرچہ یہ سیمینار اکادمی ادبیات پاکستان کے فیسبک پیج سے براہ راست نشر ہوا مگر میں نے درس وتدریس کی عمومی اور عشرہ محرم کی خصوصی مصروفیات کی وجہ سے اس سیمینار کی ریکارڈنگ بعد میں ملاحظہ کی۔

اس سیمینار میں شریک تمام شرکا نے اپنے اپنے متعلقہ موضوع پر خوبصورت گفتگو کی۔ خاص طور پر جناب فراست رضوی کی گفتگو بہت ہی جامع، مدلل اور عالمانہ رہی مگر مجھے اس مضمون میں فقط محترم اختر عثمان صاحب کی گفتگو میں موجود موضوعاتی مرثیے اور خاص طور پر میر انیسؔ پر کیے گئے اعتراضات کا تنقیدی جائزہ لینا ہے اور اس کے لیے ضروری ہے کہ پہلے اختر عثمان صاحب کی گفتگو کا خلاصہ نقل کر دیا جائے۔

اختر عثمان صاحب کی گفتگو کا خلاصہ

جب اختر عثمان صاحب کو اظہار خیال کی دعوت دی گئی تو انھوں نے سب سے پہلے تقی عابدی صاحب پر یہ اعتراض کیا کہ وہ اس طرح اظہار کر رہے تھے کہ گویا تقریر کر رہے ہوں۔ فرمانے لگے "مجھے ایسا لگ رہا تھا جیسے ہم گفتگو نہیں بلکہ کسی تقریری مقابلے کا حصہ ہیں"۔ (میرے خیال میں ہر انسان کا ایک خاص انداز گفتگو ہوتا ہے جو جیسے چاہے بات کر سکتا ہے)

اس کے بعد میر انیسؔ کا ایک بند "ناقدریٔ عالم" کی شکایت پر پڑھ کر گفتگو کا آغاز کیا۔

سب سے پہلے تو یہ فرمایا کہ وہ جدید مرثیہ نہیں کہتے بلکہ کلاسیکی مرثیہ کہتے ہیں اور ایسا وہ کچھ وجوہ کی بنا پر کرتے ہیں اور ان وجوہ میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ کلاسیکی مرثیے میں مرثیے کے تمام اجزاء پائے جاتے ہیں۔

فرمایا کہ طویل مرثیے میں ہی شاعر کھلتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اس کے پاس کتنا ہنر ہے اور وہ مرثیے میں شامل مختلف کرداروں کی نفسیات اور اس کے علاوہ انسانی رشتوں کو کس قدر کامیابی سے بیان کر پاتا ہے۔

بعد ازاں جدید مرثیے پر اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ کلاسیکی مرثیے کے بعد جب موضوعاتی مرثیہ آتا ہے تو وہ تیس چالیس بند میں ہی تمام ہو جاتا ہے۔ان کے الفاظ تھے۔

"ایسی چیزیں مسدس کی آڑ میں نظمیں تو ہو سکتی ہیں مگر میرے نزدیک مرثیہ نہیں بلکہ وہ مسدس ہیں۔"

مزید کہا کہ جدید مرثیہ نگاروں نے اپنے آلام اور مسائل کربلا سے جوڑے تو یہ اچھی بات ہے مگر مرثیہ محض رونے رلانے کی چیز نہیں بلکہ اس کے علاوہ بھی بہت کچھ ہے اور یہ بات پچاس یا ساٹھ بند کے بعد کھلتی ہے۔

اس کے بعد میر انیسؔ کے ایک مختصر مرثیے کا حوالہ دیا اور کہا کہ وہ مرثیہ بی بی ام کلثومؑ کے مرثیے سے ماخوذ ہے اور ساتھ ہی تاریخ مرثیہ گوئی میں حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیھا, خنساء اور متمم بن نویرہ کا بھی ذکر کیا۔

اور یہ بھی کہا کہ ٹھیک ہے کہ عربی اور فارسی میں بھی مرثیے کہے گئے مگر ہمارا مرثیہ فقط ہمارے علاقے سے تعلق رکھتا ہے۔اسی مرثیے نے ہماری زبان کو بچایا۔

مرثیے کی تاریخ پر نظر ڈالنے کے بعد مرثیے کے حوالے سے آپ کا کہنا تھا۔

آج مرثیے کا صرف ایک مطلب ہے کہ وہ صرف کربلا اور کربلا کے کرداروں پر لکھا جائے اور اس کے علاوہ کوئی دوسرا معنی مرثیے کا نہیں ہے۔

اس کے بعد بغیر کسی مقدمے اور ٹھوس حوالے کے امام حسینؑ کے دندان مبارک کے شہید ہونے والے واقعہ کی طرف اشارہ کر کے میر انیسؔ پر اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ اس واقعہ کا ذکر انیسؔ کے صرف ایک مصرع میں ملتا ہے, پورا بند نظر نہیں آتا اور وہ مصرع ہے,

ع ٹھنڈے ہوئے دو گوہر دندان مبارک - اور ان کے اپنے الفاظ تھے

حیرت ہوتی ہے کہ ایک اتنے بڑے درجے کے شاعر کو ایک عام سی بات کیوں نہیں یاد آئی کہ جنگ احد میں آپ ﷺ کے دندان مبارک شہید ہوئے تھے۔ تو یہ چھوٹی چھوٹی گنجائشیں ہیں جو ہمیں جواز فراہم کرتی ہیں مرثیہ کہنے کا۔

اس کے بعد میر انیسؔ کے مرثیے "فرزند پیمبر کا مدینے سے سفر ہے" کا باقاعدہ حوالہ دے کے کہا کہ اس مرثیے میں ایک مصرع ہے, " ہئے ہئے چھ مہینے کے بھی بچےؑ کا سفر ہے "

اور اس پر اعتراض کرتے ہوئے کہا

"ظاہر ہے کہ تاریخی طور پر یہ مصرع ٹھیک نہیں کیونکہ اس وقت حضرت علی اصغرؑ کی عمر تو بمشکل دس گیارہ دن بنتی ہے"

میر انیسؔ پر ایک اور اعتراض کرتے ہوئے کہا:

"اسی طرح انیسؔ نے ایک منظر دکھایا ہے کہ امام حسینؑ کے جسم اقدس میں تیر لگے ہوئے ہیں تو ندرت کے شوق میں انھوں نے کہا

پیکان یوں تھے ظل الٰہی کے جسم میں

جس طرح خار ہوتے ہیں ساہی کے جسم میں

تو اس طرح کی غلطیاں ہیں۔۔۔"

آخر میں اختر عثمان صاحب نے ڈاکٹر ہلالؔ نقوی سے استدعا کی کہ جدید مرثیے پر بہت بات ہو چکی اب انہیں کلاسیکی مرثیے پر ہلالؔ صاحب کی طرف سے دو چار جلدوں پر مشتمل کتاب کی ضرورت ہے۔

سو یہ تھا خلاصہ اختر عثمان صاحب کی گفتگو کا۔ آیئے ان کے چند اعتراضات کا جائزہ لیتے ہیں۔

موضوعاتی مرثیے پر پہلا اعتراض

اختر عثمان صاحب کا یہ کہنا کہ وہ کلاسیکی مرثیہ اس لیئے کہتے ہیں کہ اس میں مرثیے کے تمام اجزاء پائے جاتے ہیں یہ مرثیہ کہنے کی ایک بہت ہی عجیب وجہ نظر آتی ہے۔وہ اس لیے کہ اگر آپ چہرہ, سراپا, آمد,

رجز، جنگ، شہادت، بین اور دعا کو ہی مرثیے کے اجزاء مانتے ہیں تو آپ مرثیے کو خطرناک حد تک محدود کر دیں گے۔ ان اجزاء پر مشتمل مرثیے تو نہ فقط کربلا کے شہسواروں تک محدود ہو کر رہ جائیں گے بلکہ کربلا سے پہلے اور کربلا کے بعد کے شہداء بھی مرثیے سے خارج ہو جائیں گے۔

اگر مرثیہ انہیں اجزاء میں ہی محدود کر دیا جائے تو پھر رسول اللہ ﷺ، حضرت زہراؑ، امیر المؤمنینؑ امام حسنؑ، امام زین العابدینؑ سے لے کر امام حسن عسکریؑ تک کے مرثیے کیا ہوں گے؟ اس کے علاوہ کربلا میں موجود خاندان نبوّت کی مخدرات عصمت کے لیے کہے جانے والے مرثیوں میں بھی مزکورہ اجزاء اس ترتیب کے ساتھ استعمال نہیں ہو سکتے تو کیا ایسے مرثیوں کو اجزائے مزکورہ نہ ہونے کے باعث مرثیے کے دائرے سے خارج کر دیا جائے؟

کیا یہ اجزاء مرثیے کے مسلمات میں سے ہیں؟ کیا مرثیہ موضوع کے بجائے ایک ہیئت کا نام ہے؟

اس مقام پر جناب معترض سے گزارش ہے کہ ڈاکٹر ہلالؔ نقوی کے مقالے "بیسویں صدی اور جدید مرثیہ" کا مطالعہ فرمائیں اور خاص طور پر اس مقالے کے چھٹے باب "جدید مرثیے کی تعریف اور اس کا فکری و فنّی جائزہ" کی طرف رجوع فرمائیں تا کہ آپ کے شبہات دور ہوں۔ میں یہاں فقط اس باب کے آغاز میں موجود رشید احمد

صدیقی کے الفاظ نقل کر رہا ہوں تا کہ مرثیے کے اجزاء کے باب میں جامد نظریے پر نظر ثانی کے بارے میں سوچا جا سکے۔

رشید احمد صدیقی لکھتے ہیں:

"جدید اور قدیم کی آویزش اتنی ہی پرانی ہے جتنی کہ زندگی, اس سے نہ ڈرنا چاہیے اور نہ ڈرانا, ادب سنّت اللہ نہیں ہے کہ اس میں تبدیلی ناممکن ہو۔ شعر و ادب انسانوں کی بنائی ہوئی چیز ہے اور انسانوں کو اس کا حق حاصل ہے کہ وہ اپنی ضرورت کے مطابق اسے ڈھالتے رہیں۔"

اب یہ کہنا کہ کلاسیکی مرثیے میں ہی مرثیے کے تمام اجزاء پائے جاتے تو یہ ضروری نہیں کیونکہ ان اجزاء کے ساتھ بھی جدید مرثیہ کہا جا سکتا ہے اور اس کی مثالیں ساحرؔ لکھنوی کے مرثیوں میں مل سکتی ہیں۔ موضوعاتی ہونے کے باوجود انھوں نے اپنے مرثیوں میں ان اجزاء کی رعایت کی ہے۔ اس کے علاوہ ان اجزاء کے بغیر بھی کلاسیکی مرثیہ کہا جا سکتا ہے اور کہا بھی گیا ہے اور اس کی مثالیں رسول خداﷺ, حضرت زہراؑ اور امام حسینؑ کے علاوہ دیگر آئمہ علیہم السلام اور مخدرات عصمتؑ پر کہے گئے کلاسیکی مرثیے ہیں۔ اس کے علاوہ زندان شام اور مدینہ واپسی پر کہے گئے مرثیے بھی اس حوالے سے واضح مثالوں کے طور پر پیش کیے جا سکتے ہیں۔

موضوعاتی مرثیے پر دوسرا اعتراض

طویل نظموں میں ہی شاعر کھلتا ہے اور یہ کہ کلاسیکی مرثیے کے بعد جب موضوعاتی مرثیے کا آغاز ہوتا ہے تو وہ تیس چالیس بند میں ہی تمام ہو جاتا ہے اور یہ کہنا, "ایسی چیزیں مسدس کی آڑ میں نظمیں تو ہو سکتی ہیں مگر میرے نزدیک مرثیہ نہیں بلکہ وہ مسدس ہے"

ان کا یہ اعتراض ناقد کی نظر میں درست نہیں ہے کیونکہ جوش ؔملیح آبادی, نسیمؔ امروہوی, جمیلؔ مظہری, نجمؔ آفندی اور ڈاکٹر ہلالؔ نقوی کے ایسے کتنے موضوعاتی مرثیے ہیں جو صرف تیس چالیس بند تک محدود نہیں بلکہ طویل مرثیے ہیں۔ اس حوالے سے مثالوں کی ایک طویل فہرست پیش کی جاسکتی ہے مگر میں اس وقت چند مثالوں پر ہی اکتفا کروں گا جو کہ اس اعتراض کے جواب کے لیے کافی ہوں گی۔

ملاحظہ فرمائیں:

☜ مرثیہ بعنوان "فلسفہ غم" از نسیمؔ امروہوی تعداد بند 124 بند ھے

☜ مرثیہ بعوان" قلم "از نسیمؔ امروہوی تعداد بند 92

☜ اس کے علاوہ خود میر انیسؔ کو موضوع قرار دے کر نسیمؔ صاحب نے ایک مرثیہ

ے "پیام اُنس ہے انساں کو داستان انیسؔ "کہا کہ جس کے 142 بند ہیں۔

اگر جوش ؔملیح آبادی کے موضوعاتی مرثیوں کی بات کی جائے تو جوشؔ صاحب کے مرثیے ملاحظہ کیجیے:

☜ مرثیہ "ارتقائے خاک" تعداد بند 100

☜ مرثیہ "مؤجد و مفکر" تعداد بند 117

☜ مرثیہ "آوازۂ حق" تعداد بند 92

اگر دور حاضر کی بات کی جائے تو جدید مرثیے کی نمائندہ اور سب سے توانا آواز ڈاکٹر ہلال نقوی کی ہے۔ ہلالؔ صاحب کے وہ مرثیے جو میں ابھی تک پڑھ سکا ہوں ملاحظہ فرمائیں:

☜ مرثیہ "ہاتھ" تعداد بند 86

☜ مرثیہ "چراغ" تعداد بند 81

☜ مرثیہ "آواز" تعداد بند 76

بہتر ہو گا کہ طوالت کے معاملے میں غور کیا جائے اور دیکھا جائے کہ مرثیت اور طوالت نظم کا جو تعلق ہے وہ کس قدر ہے اور کس نوعیت کا ہے۔ اگر کوئی شاعر 120 بند کا مسدس کہے اور اس میں 100 بند فطرت کے مناظر کی مدح میں صرف ہو جائیں اور باقی کے 20 بند حضرت علی اکبرؑ کی شہادت پر مبنی ہوں تو کیا ایسے مسدس کو محض طوالت کی بنا پر ایک کامیاب مرثیہ کہا جا سکتا ہے؟؟؟

مختصر مرثیے کی پر زور تحریک جناب وحید الحسن ہاشمی صاحب نے شعوری طور پر چلائی تھی اور اس کے لیے ان کے دلائل جو واقعی وزن رکھتے ہیں وہ بھی اپنی جگہ ایک اہم موضوع ہے مگر خود وحید الحسن ہاشمی صاحب کے مرثیے بھی تیس چالیس بند کے پابند نہیں۔ ہاشمی صاحب کے چند مرثیے ملاحظہ ہوں:

☜ مرثیہ بعنوان شخص اور شخصیت تعداد بند 64

☜ مرثیہ بعنوان قوم اور قومیت تعداد بند 62

☜ مرثیہ بعنوان انا اور خودی تعداد بند 72

ان تمام مثالوں سے ثابت ہوتا ہے کہ موضوعاتی مرثیے پر تیس چالیس بند تک محدود ہونے کا الزام صحیح نہیں ہے۔

مرثیہ کبھی بھی تعداد بند کا پابند نہیں رہا۔ مرثیہ طویل بھی ہو سکتا ہے اور مختصر بھی۔ اگر کوئی مرثیہ تیس چالیس بند تک محدود ہے بھی سہی تو اسے "مختصر مرثیہ" کہہ لیجیے مگر یہ کہنا کہ وہ مرثیہ نہیں مسدس ہے اس سے بہت سے مسائل کھڑے ہو سکتے ہیں پھر آپ کو انیسؔ کے اور دیگر بہت سے شعراء کے مختصر مرثیوں کو بھی مسدس کہنا پڑے گا جبکہ اصلاً تو وہ مرثیے ہی ہیں۔ انیسؔ کے جس مختصر مرثیے کا حوالہ دیا گیا کیا اس مرثیے میں محض مختصر ہونے کی بنا پر رثاء کا فقدان نظر آتا ہے؟؟؟ اگر نہیں تو پھر مختصر مرثیے کو بھی مرثیہ ہی کہا جانا چاہئے۔

موضوعاتی مرثیے پر تیسرا اعتراض

عربی اور فارسی مرثیوں کا حوالہ دینے کے بعد اختر عثمان صاحب نے فرمایا

"آج مرثیے کا صرف ایک مطلب ہے کہ وہ کربلا اور کربلا کے کرداروں پر لکھا جائے اور اس کے علاوہ کوئی دوسرا معنی مرثیے کا نہیں۔"

ناقد کی نظر میں یہ اعتراض ایک نہایت خطرناک حد تک محدود سوچ کا حامل ہے۔ مرثیے کی تاریخ, عظمت اور اس کے جواز کے دلائل کے طور پر کربلا سے پہلے اور کربلا کے بعد کہے گئے مرثیوں کی تاریخ کا حوالہ دیا جاتا رہا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ کربلا سے بہت پہلے بھی مرثیہ کہا گیا اور ان مرثیوں کے نمونے تاریخ ادب میں ایک خاص حیثیت رکھتے ہیں جو کہ کربلا پر مرثیہ کہنے اور سننے کے لیے ایک جواز فراہم کرتے ہیں۔

مرثیے جیسی آفاقی اور قدیم ترین صنف سخن کو کربلا تک محدود کرنا ناانصافی ہو گی۔ آج کسی عزیز کی موت پر کہے جانے والے اشعار کیوں مرثیہ نہیں کہلا سکتے ؟ کیا مرثیہ تمام انسانوں کی میراث نہیں بلکہ ایک گروہ کی شاعری ہے ؟

کیف تحکمون ؟؟؟

بات یہ ہے کہ کربلا کے کرداروں کے علاوہ اگر کسی پر مرثیہ کہا گیا ہے تو آپ اسے "شخصی مرثیہ" کہہ لیجیے مگر ایسے مرثیے کو مرثیے کی صف سے ہی نکال دینا کسی طور بھی معقول بات نہ ہو گی۔

میر انیسؔ پر کیے گئے اعتراضات

اس کے بعد آیئے میر انیسؔ پر کیے گئے اعتراضات کا جائزہ لیتے ہیں۔ میرے نزدیک میر انیسؔ پر لگائے گئے تمام الزامات انتہائی کمزور ہیں۔

انیسؔ پر پہلا اعتراض

انیسؔ پر یہ اعتراض کہ سیدالشہداءؑ کے دندان مبارک شہید ہونے والی روایت کو انیسؔ نے صرف ایک جگہ ایک مصرع میں ہی کیوں نظم کیا, اس روایت کو پورے ایک بند میں یا کسی بھی طرح تفصیل سے یا کسی اور مرثیے میں تکرار سے کیوں نہیں ذکر کیا تو اس اعتراض کے جواب میں کہا جائے گا کہ دیکھنا پڑے گا کہ دندان مبارک والی روایت کو خود مقتل نگاروں نے اور پھر منبر نے کتنی جگہ دی ہے۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ مقتل کی اگر بیس معروف کتابیں اکٹھا کی جائیں تو ان میں سے کتنی کتابوں میں یہ روایت نقل ہوئی ہو گی؟ کیا اس روایت کو اسناد کے ساتھ نقل کیا گیا؟ کیا یہ روایت متواتر ہے؟ کیا اس روایت پر علماء کا اتفاق ہے؟ اگر یہ روایت متواتر نہ ہو اور اس کی کوئی سند بھی نہ ہو تو کیا یہ روایت اصول عقائد, عقل اور زمینی حقائق سے متصادم تو نہیں؟

جناب معترض یہ وہ سوالات ہیں کہ جن کے جوابات کے بعد اس روایت کے حوالے سے انیسؔ کی طرف رخ کیا جائے گا کہ اگر روایت غیر معروف نہیں بلکہ حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہے تو کیا وجہ ہے کہ انیسؔ نے اسے جگہ نہیں دی۔

ایک اور گزارش یہ ہے کہ روایت صحیح بھی ہو تب بھی ہر روایت کو لکھنا ایک شاعر پر کہاں واجب ہے۔ شاعر ہمیشہ انہیں روایات کو نظم کرے گا کہ جن روایات سے وہ شاعرانہ موضوعات اخذ کر سکتا ہو گا۔ اس معاملے میں شاعر صاحبِ اختیار ہوا کرتا ہے۔

اور اس کے بعد یہ کہنا کہ حیرت ہوتی ہے کہ اتنے بڑے درجے کے شاعر کو ایک عام سی بات کیوں نہیں یاد آئی کہ جنگ احد میں آپ ﷺ کے دندان مبارک شہید ہوئے تھے۔ تو یہ چھوٹی چھوٹی گنجائشیں ہیں جو ہمیں جواز فراہم کرتی ہیں مرثیہ کہنے کا۔

یہ اعتراض ناقد کی نظر میں درست نہیں ہے۔ بے شک دندان مبارک پیمبر ﷺ کا واقعہ طرفین کی کتب میں موجود ہے مگر کیا کسی ایک واقعے کو نظم کرتے ہوئے کسی دوسرے واقعے کے ساتھ اس کا تقابل کرنا مسلمات شعری میں سے ہے؟ کیا ضروری کہ جب بھی حضرت عباسؑ کے سر کے شگافتہ ہونے کی روایت کو نظم

کیا جائے تو لازماً اس کا تقابل مسجد کوفہ میں امیر المؤمنینؑ کے سر پر لگنے والی ضربت سے بھی کیا جائے۔ کیا اس طرح کرنا واجبات میں سے ہیں ؟۔

کیا یہ واقعی کوئی گنجائش ہے ؟

اور مزید یہ کہنا، "تو یہ چھوٹی چھوٹی گنجائشیں ہیں جو ہمیں جواز فراہم کرتی ہیں مرثیہ کہنے کا"

پہلے تو مذکورہ گنجائشوں کو گنجائشیں ثابت کرنا ہو گا۔ پھر آپ نے گفتگو کے آغاز میں خود فرمایا تھا کہ مرثیہ نگار مرثیے میں موجود مختلف کرداروں کی نفسیات کے بیان میں مہارت کا اظہار اور انسانی اور سماجی رشتوں کو کامیابی سے بیان کرتا اور اس کا اپنا ایک World View ہوتا ہے کہ جس کا اظہار وہ طویل مرثیے میں ہی کر سکتا ہے اور اب لے دے کے یہی گنجائشیں رہ گئیں مرثیے کا جواز فراہم کرنے کے لیے ؟؟؟

انیسؔ پر دوسرا اعتراض

انیسؔ پر اعتراضات کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے ان کے ایک معروف مرثیے "فرزند پیمبر کا مدینے سے سفر ہے" کا حوالہ دیتے ہوئے کہا گیا کہ اس مرثیے میں ایک مصرع ہے:

؎ ہئے ہئے چھ مہینے کے بھی بچے کا سفر ہے

اور اعتراض وارد کیا:

"ظاہر ہے کہ تاریخی طور پر یہ مصرع ٹھیک نہیں کیونکہ اس وقت حضرت علی اصغر کی عمر تو بمشکل دس گیارہ دن بنتی ہے"

اس اعتراض کے جواب میں کہا جائے گا کہ پہلے تو قابل اعتراض مصرع

؎ ہئے ہئے چھ مہینے کے بھی بچے کا سفر ہے

اس مرثیے کا مصرع ثابت کریں۔ "منتخب مراثیٔ انیس" مرتبۂ سید مرتضی حسین فاضل لکھنوی میں یہ مرثیہ شامل ہے اور اس مرثیے میں یہ مصرع موجود نہیں۔ فاضل لکھنوی نے 144 بند پر مشتمل یہ مرثیہ مندرجہ ذیل مراجع سے تحقیق کے بعد نقل کیا:

☜ مرثیہ انیس، تصدق، جلد اول نول کشور پریس لکھنؤ

☜ مرثیہ انیس: علی حیدر نظم طباطبائی، جلد اول، نظامی پریس بدایوں، طبع 1922ء

☜ مرثیہ انیس، نائب حسین نقوی، غلام علی اینڈ سنز لاہور، 1959، 1967ء

☜ مرثیہ انیس جلد اول مطبع تیج کمار، لکھنؤ 1905ء

اب مندرجہ بالا مراجع کے لحاظ سے تو یہ مصرع مذکورہ مرثیے کا نہیں اگر اختر عثمان صاحب کے پاس کوئی حوالہ ہو تو انہیں وہ حوالہ دینا چاہیے۔

اور اگر فرض کریں کہ یہ مصرع انیسؔ کا ہو بھی تو اس پر ایک زبردست بحث ہو سکتی ہے اور وہ یہ کہ شاعری کا اپنا دائرہ کار ہوا کرتا ہے۔ شاعری تاریخ نہیں ہوتی ہے۔ اگر آپ کو تاریخ سے ہی بحث کرنا ہے تو پھر بہتّر (72) شہید بھی نہیں ہیں۔ اگر تاریخ ہی معیار ہے تو پھر شہدائے کربلا کی تعداد تاریخ کے لحاظ سے ڈیڑھ سو سے بھی تجاوز کر جاتی ہے۔ تو کیا تاریخ کی ایسی کسی بھی تحقیق کے بعد ایسے تمام اشعار کہ جن میں کربلا کے شہداء کے استعارے کے طور پر بہتّر کا عدد استعمال ہوا ہے ان پر خط تنسیخ محض اس بنا پر کھینچ دیا جائے کہ یہ تعداد تاریخی طور پر صحیح نہیں۔

جناب معترض شاعری عرف, مجاز, استعارہ اور علامت وغیرہ سے تعلق رکھتی ہے۔ شاعری چیزوں کو نقل کرنے کا نام نہیں ہے کہ جو شے جیسے ہو ویسے ہی بیان کر دی جائے۔ شاعری اور حقیقت کا تعلق ایک منحنی تعلق ہوتا ہے سو شاعری کے اپنے تقاضے ہیں۔ چھ مہینے کا ہونا جناب علی اصغر کی خاص پہچان ہے۔ ان کی یہ عمر معصومیت کا استعارہ بن چکی ہے۔ اب اگر آپ نے شاعری بھی کرنا ہے اور تاریخ کی بحثوں کو بھی نپٹانا ہے تو اگر آپ کسی محقق کی تحقیق کے بعد کسی مصرع میں یہ کہہ دیں کہ مثلاً علی اصغر گیارہ دن اور پانچ گھنٹے کی عمر میں عازم سفر شہادت ہوئے تو بتایئے یہ شاعری کے حق میں آپ کون سی خدمت انجام دیں گے؟

ناقد کی رائے میں یہ بات بہت اہمیت کی حامل ہے کہ آپ پر واضح ہو کہ آپ شاعری کے میدان میں ہیں یا تاریخ کی تحقیق کے۔ کیا اب یہ بھی دلائل سے ثابت کرنا پڑے گا کہ شاعری میں بہت سی باتیں مجازاً کہی جاتی ہیں اور ان کی ایک خاص حیثیت ہوا کرتی ہے۔ شاعری میں مجاز عیب نہیں بلکہ حسن ہوا کرتا ہے۔

انیسؔ پر تیسرا اعتراض

جناب معترض نے اپنی گفتگو میں انیسؔ پر آخری اعتراض کرتے ہوئے فرمایا

"اسی طرح انیسؔ نے ایک منظر دکھایا ہے کہ امام حسینؑ کے جسم اقدس میں تیر لگے ہوئے ہیں تو ندرت کے شوق میں انیسؔ نے کہا کہ

؎ پیکان یوں تھے ظل الٰہی کے جسم میں

جس طرح خار ہوتے ہیں ساہی کے جسم میں

تو اس طرح کی غلطیاں ہیں۔۔۔"

جس تشبیہ کو انیسؔ کا شوقِ ندرت کہا گیا وہ کتب مقاتل میں نقل ہونے والی معروف ترین تشبیہ ہے۔ یہ تشبیہ تو خود انیسؔ کی پیدائش سے صدیوں پہلے کی کتب میں نقل ہوئی ہے۔ عربی اور فارسی کے مقتل کی شاید ہی کوئی ایسی کتاب ہو جس میں امام حسینؑ کے جسم میں پیوست تیروں کا ذکر ہو اور ساتھ مقتل نگار نے اس تشبیہ کو نقل نہ کیا ہو۔

ویسے تو مقتل کے قارئین اور سامعین اس تشبیہ سے خوب واقف ہیں مگر میں یہاں مختلف ادوار کی کتب کے چند حوالے ذکر کر رہا ہوں۔

☜ سب سے پہلے مقتل کی معروف ترین اور معتبر ترین کتاب "اللھوف" کا ذکر کرتے ہیں. اس کتاب کے مؤلف سید ابنِ طاؤسؒ ہیں. یہ عالم ربّانی اور محدثِ عظیم ھ598 میں حلہ میں پیدا ہوئے اور ان کی وفات 5 ذیقعد 663ھ کو شہر بغداد میں ہوئی. بزرگ علماء کرام, مجتہدین اور آیاتِ عظام آج بھی اس کتاب سے استفادہ کرتے ہیں. اس کتاب کے اردو میں متعدد ترجمے ہو چکے ہیں. میرے پاس اس کتاب کا جو ترجمہ موجود ہے وہ مولانا ریاض حسین جعفری نے کیا اور مولانا ادارہ منہاج الصالحین لاہور کے سرپرست ہیں اور اسی ادارے سے یہ ترجمہ شائع ہوا.

مذکورہ نسخہ کے صفحہ 155 پر زیرِ بحث تشبیہ موجود ہے. میں عبارت نقل کیے دیتا ہوں:

"مظلومِ کربلا کا جسمِ اطہر تیروں, تلواروں اور نیزوں کے زخموں سے چور چور ہو چکا تھا. آپ کا بدن نحیف و کمزور ہو چکا تھا. اور آپکا بدن تیروں سے اس طرح پیوستہ ہو چکا تھا: فبقی کالقنفد: جس طرح ساہی کا بدن کانٹوں سے بھرا ہوتا ہے۔"

یہ عبارت تھی "لہوف" کی جو خود انیسؔ کی پیدائش سے قریباً چھ سو برس قبل تالیف کی گئی.

☜ حجتہ الاسلام والمسلمین علی نظری منفرد نے مقتل اور سیرتِ امام حسین پر ایک بہت ہی اہم کام کیا ہے. ان کی کتاب کا اردو ترجمہ "صحیفہ ءکربلا" کے نام سے مصباح القران ٹرسٹ لاہور سے شائع ہوا. اس کتاب کے صفحہ 332 پر علی نظری منفرد مناقبِ ابن شہرِ آشوب جلد 4 ص 111 کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں

"کہتے ہیں کہ آپکے بدن مبارک پر اتنے تیر تھے کہ آپ کی زرہ ساہی کی مانند ہو گئی تھی. تیر سارے سامنے کی طرف لگے (.مترجم حجتہ الاسلام علامہ نثار احمد زین پوری)

☜ مقتل اور سیرت نگاری کا ایک بہت بڑا نام ثقتہ المحدثین شیخ عباس قمیؒ کا ہے. ان کی کتاب "احسن المقال" کا ترجمہ دو ضخیم جلدوں میں محسنِ ملت سید صفدر حسین نجفی نے "سیرتِ معصومین, منتہی الآمال" کے نام سے کیا ہے جسے امامیہ پبلکیشنز پاکستان نے اہتمام کے ساتھ شائع کیا. سیرتِ معصومین کی پہلی جلد کے صفحہ 446 پر مذکورہ تشبیہ کچھ اس طرح نقل کی گئی ہے.

"لشکر نے ہر طرف سے آپ پر تیروں کی بارش کر دی اور حضرت ان تیروں کو حق کی راہ میں اپنے چہرہ گردن اور سینہ مبارک پر لیتے تھے. آپ کی زرہ کے سوراخوں پر اتنے تیر اٹکے کہ آپ کا سینہ مبارک ساہی کی پشت کی طرح ہو گیا"

☜ دورِ حاضر میں مصائب کے حوالے سے جو مقبولیت ایران کے مایہ ناز عالمِ دین حجتہ الاسلام والمسلمین محمد محمدی اشتہاردی کی کتاب " سوگ نامۂ آلِ محمد " کو حاصل ہوئی شاید ہی کسی اور کتاب کو وہ مقبولیت ملی ہو. اس کتاب کا ترجمہ بزرگ عالمِ دین حجتہ الاسلام جناب موسیٰ بیگ نجفی صاحب نے " مصائبِ آلِ محمد " کے نام سے کیا جسے معراج کمپنی لاہور نے شائع کیا. مذکورہ کتاب کے صفحہ 306 پر مذکورہ تشبیہ کا ذکر اس طرح سے ملتا ہے

"اس وقت چار ہزار کمان نے حضرت کو تیر کا ہدف قرار دیا. حضرت امام حسین نے اس قدر جنگ کی کہ شدّتِ تشنگی کی وجہ سے پانی طلب کرتے لیکن کوئی جواب نہ دیتا تھا اور حضرت کے بدن پر اس قدر تیر لگے تھے کہ کہا گیا ہے حتیٰ صار کالقنفذ: حضرت کا جسم تیروں سے گھر کٹ کی طرح ہو گیا تھا.(. مترجم موسیٰ بیگ نجفی)

اس کے علاوہ دسیوں کتب کے حوالے دیے جا سکتے ہیں مگر مندرجہ بالا مثالوں سے ہی واضح ہو جاتا ہے کہ انیسؔ نے مذکورہ تشبیہ "ندرت کے شوق" میں ایجاد نہیں کی بلکہ ارباب مقاتل سے نقل کی.

اب جائے تعجب ہے کہ کہاں دندانِ مبارک والی روایت پر اس قدر اصرار کہ جو اس قدر معروف نہیں اور کہاں تواتر سے نقل ہونے والی ساہی کی تشبیہ سے لاعلمی۔.

آخر میں اختر عثمان نے ڈاکٹر ہلال نقوی کو مخاطب کرتے ہوئے استدعا کی

"جدید مرثیے پر بہت بات ہو چکی اب ہمیں کلاسیکی مرثیے پر آپ کی طرف سے دو چار جلدوں پر مشتمل کتاب کی ضرورت ہے"

ان کا یہ تقاضا بالکل ایسا ہی تھا جیسے کہ آپ کسی مجتہد سے کہیں کہ حضور آپ نے اپنی بات تو بہت کر لی اب ذرا گزشتہ مجتہد کی بات کر لیں.

ڈاکٹر ہلالؔ نقوی نہ صرف پاکستان بلکہ دنیائے ادب اردو کے صف اول محقق ادیب اور شاعر ہیں۔ وہ اس دور میں جدید مرثیے کی نمائندہ آواز ہیں اور اگر مرثیے کو کلاسیکی اور جدید کی قید سے آزاد کر کے بھی دیکھا جائے تب بھی ہلالؔ صاحب کا کام ایک طویل اور جاندار فہرست رکھتا ہے۔

اس طرح کا تقاضا ڈاکٹر ہلالؔ نقوی صاحب کی تالیف, تصنیف, تنقید اور تحقیق پر مبنی کاموں سے لاعلمی کی بنیاد پر کیا گیا ہے اس کے علاوہ کوئی اور وجہ ظاہراً نظر نہیں آتی۔.

اس کے علاوہ اختر عثمان صاحب سے سوال ہو سکتا ہے کہ کیا کلاسیکی مرثیے پر "دو چار" جلدوں والی کتاب کافی و شافی ہو گی؟؟؟

اور آپ نے جو یہ فرمایا کہ جدید مرثیے پر بہت بات ہو چکی تو گزارش ہے کہ جدید مرثیے کی عمر کم و بیش سو برس ہے جبکہ کلاسیکی مرثیہ اس سے تین ساڑھے تین سو برس قدیم ہے تو زیادہ بات تو کلاسیکی مرثیے پر ہوئی ہے تو کیا یہ کہنا مناسب نہ ہو گا کہ کلاسیکی مرثیے پر بہت بات ہو چکی اب جدید پر ہونا چاہیے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ کلاسیکی مرثیہ اور جدید مرثیہ ان دو مختلف المزاج اصناف کو مذہبیوں کی طرح فرقے نہ بنا دیا جائے کہ کلاسیکی طویل مرثیہ تو مرثیہ ہے مگر جدید اور مختصر مرثیہ مرثیہ نہیں۔ادب میں ایسا مزاج رکھنا خود ادب کے مزاج کے خلاف ہے۔ادب میں کسی بھی چیز پر کوئی حتمی حکم یا فتوی نہیں لگایا جا سکتا۔دور بڑھتا ہے اور بات بڑھتی ہے۔اور اگر ایسا نہ ہوتا تو آج ہومر, دانتے, میر تقی میر اور خود انیسؔ و دبیرؔ کا کوئی نام بھی لینے والا نہ ہوتا۔ ادب میں کبھی بھی ایسا نہیں کہا جا سکتا کہ فلاں چیز پر بہت بات ہو چکی اب فلاں پر ہی بات کی جائے۔

اس تنقیدی جائزے کا مقصد مرثیے کے ضمن میں ایک صحت مند ماحول پیدا کرنا ہے جو یقیناً مرثیے کی ترویج کا سبب بنے گا۔ناقد کی رائے میں یہ بحث و مباحثے جاری رہنے چاہییں اور تنقیدی مکالمے بھی منظر عام پر آنا چاہییں۔ مرثیے کے باب میں تمام سنجیدہ اور تنقیدی شعور رکھنے والے افراد اس تنقیدی جائزے میں موجود آرا سے ٹھوس بنیادوں پر اختلاف کا حق رکھتے ہیں اور وہ ان کی رد میں دلائل پیش کر سکتے ہیں اور ہم اس طرح ایک صحت مند ماحول میں اس پر بحث کر سکتے ہیں۔

عادلؔ مختار

عطیۃ القائم ہاؤس, جمبر خورد

21 ستمبر 2021